© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح مثنوی مولانائے روم

دیباچہ

بشنو از نے چوں حکایت می کند ، وز جدائی ہا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند ، از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

مثنوی کے جاننے والوں کا یہ خیال ہے، کہ مولانا نے ان دو شعروں میں اپنی مثنوی کا مقصد تمام وکمال بیان کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عارف جامیؒ نے انہی دو شعروں کی شرح لکھی ہے۔ کیونکہ تمام مثنوی انہی دو شعروں کی شرح ہے۔ لہٰذا ذیل میں ان دو شعروں کی بقدر ضرورت وسلاست کی جاتی ہے

(الف) قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں مدت معینہ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ یعنی یہ دُنیا ایک سرائے یا مسافر خانہ ہے۔

(ب) موت، زندگی کا خاتمہ نہیں ہے۔ بلکہ اصلی وطن کو واپس جانے کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

(۱) اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ط اللہ ہی پیدا کرتا ہے خلقت کو (پہلی بار) پھر وہی تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (۳۰ - ۱۱)

(۲) كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ہر شخص پر موت وارد ہوگی پھر تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۲۶-۵۷)

(۳) لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲۸-۷۰) ساری کائنات پر اُسی کی حکومت ہے اور تم سب اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

(۴) اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲-۱۵۶) ہم سب اللہ کے پاس سے آئے ہیں اور انجام کار اُسی کی طرف واپس چلے جائیں گے

قرآن حکیم میں اس مضمون کی صدہا آیات ہیں، میں نے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے چار آیتیں درج کر دی ہیں۔

(ج) دنیاوی زندگی ایک بے قیمت چیز ہے، بلکہ محض کھیل تماشا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (۳-۱۸۵) اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی مگر دھوکہ کی پونجی۔

(۲) اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ الخ (۵۷-۲۰) جان لو کہ دُنیا کی زندگی کھیل تماشا اور لغو دلگی ہے۔

(۳) وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (۴۵-۳۴) اور تم کو دُنیا کی زندگی نے دھوکہ میں ڈال دیا۔ یعنی تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ ہمیں واپس جانا نہیں ہے۔

(۴) وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (۶-۳۲) اور نہیں ہے دُنیا کی یہ زندگی مگر نرا کھیل تماشا اور جو لوگ متقی ہیں وہ جانتے ہیں کہ آخرت کی زندگی اس زندگی سے بہت زیادہ اچھی ہے

(۵) وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (۲۹-۶۴) اور بلاشبہ آخرت کا گھر ہی حقیقی معنی میں زندگی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(یعنی دنیاوی زندگی اس کے مقابلے میں زندگی نہیں ہے، کاش دُنیا کے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوتے)
یعنی یہ زندگی، عارضی اور چند روزہ ہے۔ حقیقی زندگی تو مرنے کے بعد شروع ہوگی۔ کاش دُنیا کے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوتے
تو وہ اس زندگی کو واپس جانے کی تیاری میں صرف کرتے!

(د) پس ثابت ہوا کہ قرآن کی رو سے مقصدِ حیات یہ ہے کہ انسان اپنی ابتداء اور انتہا، کا صحیح علم حاصل کرے جو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ خدا کے پاس (نیستاں) سے کچھ عرصہ کے لئے یہاں آیا ہے اور پھر اُسی کے پاس واپس چلا جائے گا۔ اس لئے صحیح علم حاصل کرنے کے بعد واپسی کی تیاری کرے۔ یعنی انتہائی جدوجہد کرکے (اطاعتِ قانونِ الٰہی جدوجہد کے بغیر ناممکن ہے) اپنے نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ میں تبدیل کردے تاکہ جب اللہ کے پاس واپس جائے تو وہ یہ کہہ کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے کہ میں تجھ سے راضی ہوں،

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۸۹ - ۲۷ تا ۳۰)

اے وہ انسان جس نے اطمینانِ قلب حاصل کرلیا ہے واپس آجا اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اُس کے انعام سے راضی ہے اور وہ تیرے کام سے راضی ہے، پس داخل ہوجا میرے بندوں کے زمرہ میں اور داخل ہوجا میری جنت میں۔

(ھ) انسان، دُنیا میں آکر "حُبّ الشہوات" یعنی خواہشاتِ نفسانی کی محبت میں مبتلا ہوگیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳ - ۱۴)

لوگوں کو نفسانی خواہشات کی محبت۔ مثلاً بیویاں، بیٹے سونے اور چاندی کے ڈھیر اعلیٰ نسل کے گھوڑے، مویشی اور کھیتی، نے اپنا فریفتہ بنالیا ہے۔

(و) حبِ الشہوات میں مُبتلا ہوکر، انسان اپنی اصل اور اپنے مقصدِ حیات اور معاد، ان سب باتوں سے غافل ہوگیا ہے

(ز) اس لئے وہ خدا کے پاس واپس جانے (رجوع الی اللہ) کی کوئی تیاری نہیں کرتا (حالانکہ واپسی کی تیاری اس کی زندگی کا مقصد ہے)

(ح) اس لئے مولانا نے اس کو متنبہ کرنے یعنی واپسی کی تیاری کا شوق دل میں پیدا کرنے کے لئے یہ مثنوی لکھی ہے اور چونکہ از روئے قرآن، یہی مقصدِ حیاتِ انسانی ہے۔ اس لئے بقول عارف جامی "مولانا روم کی مثنوی دراصل فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ ہے"

(ط) چونکہ یہ مقصد بانسری کی مثال سے بآسانی ذہن نشین ہوسکتا ہے اس لئے مولانا نے اپنی غیر فانی مثنوی کو بانسری کی داستان غم سے شروع کیا ہے۔

(ی) بانسری زبانِ حال سے یہ کہتی ہے کہ:-

میں اپنی اصل (نیستاں) سے دور ہوگئی ہوں اس لئے ہجر (جدائی) میں فریاد کررہی ہوں،

(ک) انسان بانسری کی اس فریاد سے عبرت حاصل کرسکتا ہے۔ اسے اپنا بھولا ہوا سبق یاد آسکتا ہے کہ میں بھی اس دُنیا میں کہیں اور سے آیا ہوں اور انجام کار یہاں سے اصلی وطن کو واپس جانا ہے

(ل) جب انسان کے دل میں اپنی حالتِ مہجوری کا احساس پیدا ہوجائے گا کہ یہ دُنیا میرا دائمی وطن نہیں ہے بلکہ مجھے واپس جانا ہے تو وہ واپسی کی تیاری کرے گا۔ یعنی اس میں وصل کا داعیہ پیدا ہوگا۔ اُس کے دل میں وطن کو واپس جانے کی زبردست خواہش پیدا ہوگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس خواہش کو مولانا نے عشق سے تعبیر کیا ہے یہ جذبۂ عشق وہ نعمت ہے جس کی بدولت انسان اپنی اصل سے واصل ہو سکتا ہے اور چونکہ اس کی بدولت وہ اپنا مقصدِ حیات حاصل کر سکتا ہے (دوسری کوئی صورت نہیں ہے) اس لئے مولانا مسلک عشق کے علمبردار ہیں، اور عشق ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، یعنی تمام انسانی بیماریوں کا کافی اور شافی علاج اور جس شخص میں یہ جذبہ کارفرما نہیں وہ شخص مولانا کی نظر میں حیوان سے بھی بدتر ہے۔

(م) بنی آدم کے قلوب میں واپسی کی تیاری کا جذبہ برانگیختہ کرنا اس مثنوی کا حقیقی اور اصلی مقصد ہے۔ اور چونکہ یہ نکتہ مولانا نے ان دو شعروں میں بیان کر دیا ہے اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ساری مثنوی ان دو شعروں میں پوشیدہ ہے۔

(ن) چونکہ واپسی کی تیاری کا مطلب یہ ہے کہ انسان جد و جہد کرے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا نے اپنی مثنوی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو جد و جہد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا پیغام دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ:۔

(۱) جب انسان کے دل میں واپسی کا داعیہ موجزن ہوگا۔ تو وہ اپنے دل کو زن، زر اور زمین کی محبت سے خالی کرے گا۔

(۲) موت کا خوف اپنے دل سے یکسر دور کرے گا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ جب تک ایک شخص نفس امارہ سے جنگ نہ کرے وہ اپنے دل کو حب الشہوات سے خالی نہیں کر سکتا۔

(۳) نفس امارہ سے جنگ کرنے کو تصوف کی اصطلاح میں جہاد اکبر کہتے ہیں۔

(۴) اس جنگ کے ساتھ ساتھ وہ حتی المقدور اللہ کے قانون (شریعت محمدیہ) کی اطاعت بھی کرے گا۔ اور جب وہ اس طرف مائل ہوگا تو اسے پہلے ہی قدم پر غیر اللہ سے جنگ کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اللہ کے باغی بندوں نے اللہ کے قانون کو پس پشت ڈال کر اللہ کی دنیا میں اپنا قانون نافذ کر رکھا ہے لہٰذا جو شخص اللہ کی اطاعت کا آرزومند ہوگا۔ اُسے غیر اللہ سے یقینی جنگ آزما ہونا پڑے گا۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں جہاد بالسیف یا جہاد اصغر کہتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سر بسر جہاد ہی میں بسر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ واپسی کی تیاری سراسر جد و جہد (جہاد فی سبیل اللہ) پر موقوف ہے۔ اور چونکہ یہ تیاری ان کا مقصد حیات ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کا مقصد حیات جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

یہ ہے مختصر لفظوں میں مولانا کا فلسفۂ حیات۔ یا اس مثنوی کا خلاصہ اور مجھے یقین ہے کہ اگر ناظرین اس نکتہ کو مدنظر رکھیں گے۔ تو ساری مثنوی اُن کے لئے آسان ہو جائے گی۔ اب میں ان دو شعروں کا مطلب لکھتا ہوں۔

لفظی معانی:۔ کہتے ہیں کہ بانسری کی آواز سنو وہ کچھ شکایت کر رہی ہے۔ بالفاظ دگر وہ جدائی کی حکایت بیان کر رہی ہے کہ جب سے مجھے نیستاں سے کاٹا ہے، اس وقت سے میں آہ و فریاد کر رہی ہوں، یعنی اپنی اصل سے جدا ہو گئی ہوں۔ اس لئے ہجر میں تڑپ رہی ہوں۔ اور میری فریاد (نفیر) سے تمام لوگ بے چین ہیں، بلکہ رو رہے ہیں۔

مرادی معنی:۔ بانسری سے اُس مرد کامل (مومن) کی روح مراد ہے جو اپنی اصل (ذاتِ الٰہی) سے جدائی کی بنا پر بیقرار ہے، مولانا کہتے ہیں کہ اگر انسان اپنی معرفت حاصل کر لے تو اُسے معلوم ہوگا کہ اس کی روح اس دُنیا میں بیقرار ہے کیونکہ وہ اپنے اصلی وطن کو یاد کرتی ہے۔ اور وہیں واپس جانا چاہتی ہے۔ جہاں وہ اس دُنیا سے آنے سے پہلے رہتی تھی ——— واضح ہو کہ نیستاں سے وہ عالم ارواح مراد ہے، جو روح کا اصلی وطن ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق ۔۔۔ تا بگویم شرح درد اشتیاق

اے مخاطب جب تک تیرا سینہ فراق کی شدت سے پارہ پارہ نہ ہو جائے یعنی جب تک تو خود کسی کی جدائی میں نہ تڑپے، میری بیقراری کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔

(۴) ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش ۔۔۔ باز جوید روزگار وصل خویش

ہر وہ شخص جو اپنی اصل یا اپنے محبوب سے دور ہو جاتا ہے وہ دوبارہ وصل کا آرزومند ہوتا ہے، ہر عاشق مہجور اپنے معشوق سے ملنے کا متمنی ہوتا ہے

(۵) من بہر جمعیتے نالاں شدم ۔۔۔ جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم

میں (عاشق صادق کی طرح) ہر گروہ سے ملی اور دینداروں اور دنیا داروں کی صحبتوں میں بیٹھی۔ (لیکن کسی نے میرے ساتھ ہمدردی نہیں کی)

(۶) ہر کسے از ظنِ خود شد یار من ۔۔۔ وز درونِ من نجست اسرار من

لیکن ہر شخص نے مجھ کو اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی شخص میری حقیقت اور میرے اسرار سے آگاہ نہ ہو سکا

(۷) سرِ من از نالۂ من دور نیست ۔۔۔ لیک چشم و گوش را آں نور نیست

میرا راز میرے نالہ سے دور تو نہیں ہے۔ لیکن انسان نہ ظاہری آنکھوں سے اس کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ظاہری کانوں سے اس کو سن سکتا ہے

(۸) تن ز جاں و جاں ز تن مستور نیست ۔۔۔ لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

جسم روح سے اور روح جسم سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن کوئی شخص حواس خمسہ سے روح کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں جسم سے نالہ نے اور جان سے سر نالہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقت، حواس سے محسوس نہیں ہو سکتی،

(۹) آتش است ایں بانگِ نائے و نیست باد ۔۔۔ ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

یعنی بانسری میں سے جو آواز نکل رہی ہے۔ یہ دراصل آتش (عشق) ہے اسے ہوا مت سمجھو اور جس شخص میں (عشق الہی کی) آگ نہیں ہے — خدا کرے وہ فنا ہو جائے، یعنی اس میں یہ آتش عشق پیدا ہو جائے۔ عام طور سے دوسرے مصرع میں "نیست باد" کو بد دعا سمجھا جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں عرفاً کسی کو بد دعا نہیں دیا کرتے اس لئے یہ معنے تاویل کر دی۔

(۱۰) آتش عشق است کاندر نے فتاد ۔۔۔ جوشش عشق است کاندر مے فتاد

کہتے ہیں کہ بانسری (روح) میں عشق ہی کی آگ کارفرما ہے اور اس شراب (روح) میں عشق ہی کی بدولت جوش اور مستی پیدا ہوئی ہے۔

(۱۱) نے حریفِ ہر کہ از یارے برید ۔۔۔ پردہائیش پردہائے ما درید

بانسری ہر اس شخص کی رفیق و ہمدرد ہے جو اپنے معشوق سے جدا ہو، اس کے نغمات (پردے) دراصل ہمارے جذبات قلبی — (پردہائے ما) کو ظاہر کرتے ہیں، یعنی انسان بھی اسی طرح اپنی اصل کو یاد کر رہا ہے، جس طرح بانسری اپنی اصل (نیستاں) کی یاد میں بے چین ہے

(۱۲) ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید ۔۔۔ ہمچو نے دمساز و مشتاقے کہ دید

بانسری (مرد کامل) بدکاروں کے لئے زہر ہے مگر نکوکاروں کے لئے تریاق ہے، دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ ہجر کا بیان کرتی ہے تو زہر ہے اور جب وصال کا ذکر کرتی ہے تو تریاق ہے۔ نیز بانسری (عاشق مرد کامل) کی طرح ہمدرد اور رفیق کہاں مل سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۳) نے حدیثِ راہ پرخوں می کند — قصہ ہائے عشقِ مجنوں می کند

حدیث بمعنی گفتگو یا داستان ، راہِ پرخوں بمعنی عشق کا دشوار گذار راستہ ، نے سے یہاں مراد ہے مثنوی ، کہتے ہیں کہ یہ مثنوی عشقِ حقیقی کی دشوار گذار راہ کا قصہ بیان کرتی ہے۔ اور تم کو مجنوں (سچے عاشقوں) کی محبت کے قصے سناتی ہے یعنی تم کو عشق حقیقی سے روشناس کرتی ہے۔ (نزٹ) نے سے روحِ انسانی بھی مراد ہو سکتی ہے

(۱۴) دو دہاں داریم گویا ہمچو نے — یک دہاں پنہاں ست در لبہائے وے

ہم بھی بانسری کی طرح دو مونہہ رکھتے ہیں۔ ایک مونہہ اُس (خُدا) کے لبوں میں پوشیدہ ہے۔ یعنی ہمارا ایک رُخ تو مادی ہے اور دوسرا رُخ روحانی ہے۔ یعنی ہماری روح چونکہ جسم کی قید میں ہے۔ اس لئے مادہ سے مربوط ہے لیکن بلحاظ اصل خویش خدا سے وابستہ ہے۔

(۱۵) یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما — ہائے و ہوئے درفگندہ در سما

ایک مونہہ تمہاری طرف نالاں ہے اور اُس نے آسمان میں شور برپا کر رکھا ہے یعنی اس کے نالوں کا شور افلاک تک جا رہا ہے

(۱۶) لیک داند ہر کہ او را منظر است — کایں فغانِ ایں سرے ہم زاں سر است

لیکن ہر صاحب ہوش (عقل) سمجھ سکتا ہے کہ اس مونہہ کی فریاد کا سبب یہ ہے کہ وہ مونہہ فریاد کر رہا ہے۔ یعنی جب خدا روح کے اندر اپنی محبت کی تحریک کرتا ہے تو یہاں دُنیا میں انسان بیقرار ہو جاتا ہے۔ اور جدائی کا احساس اُسے بے چین کر دیتا ہے۔

(۱۷) دمدمہ ایں نائے از دمہائے اوست — ہائے و ہوئے روح از ہیہائے اوست

بانسری (روح) کا یہ شور کسی کے دم (پھونکنے) سے ہے یعنی ہماری روح میں جو یہ جذبۂ عشق کارفرما ہے، یہ سب اسی کی کرشمہ سازی ہے

(۱۸) محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست — مرزباں را مشتری چوں گوش نیست

ایں ہوش، کنایہ ہے عشق سے نیز اس حقیقت سے کہ دمدمۂ ایں نے از دمہائے اوست ۱۲ ' بے ہوش کنایہ ہے عاشق سے جو غیر اللہ سے بیخبر اور بیگانہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رموزِ عشق سے وہی شخص آگاہ ہو سکتا ہے جو غیر اللہ سے بیگانہ ہو چکا ہے دوسرے مصرع میں اس کی مثال دی ہے کہ زبان سے جو آواز نکلتی ہے۔ اس کا خریدار کان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ یعنی جس طرح آنکھ آواز کو نہیں سن سکتی۔ اسی طرح دُنیا پرست، رموزِ عاشقی سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

ع آگاہ اس جہاں سے نہیں بے خبر یہ خود واں — جاگا وہی ادھر سے جو مونڈ آنکھ سو گیا

(۱۹) گر نبودے نالۂ نے را ثمر — نے جہاں را پُر نکردے از شکر

بعض نسخوں میں "ثمر" کی جگہ اثر کا لفظ درج ہے۔ اگر بانسری کی فریاد میں اثر نہ ہوتا یا اس کی فریاد کا کوئی ثمر نہ ہوتا۔ تو نیشکر (گنّا) دُنیا کو شکر سے معمور نہ کرتا۔ یعنی جس طرح شکر سے انسان کی زبان کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ اُسی طرح عشق سے انسان کی روح کو لذت حاصل ہوتی ہے

(۲۰) در غمِ ما روزہا بیگاہ شد — روزہا با سوزہا ہمراہ شد

روزہا گر رفت گو رو باک نیست — تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

'غم' کنایہ ہے عشق سے، مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہماری زندگی عشق کی وجہ سے مصائب میں بسر ہوئی اور ہم زندگی بھر آتشِ فراق میں جلتے رہے، لیکن ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں ہے، ہمارا کیا ہے؟ ہم تو عاشق ہیں، ہم جس حال میں ہیں خوش ہیں، ہماری آرزو تو یہی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ (معشوق) سلامت رہے، کیونکہ اُس جیسا دوسرا کہاں ہے؟

(۲۳) ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد　　　ہر کہ بے روزیست روزش دیر شد

ماہی کنایہ ہے عارف کامل سے۔ جس طرح مچھلی پانی سے سیر نہیں ہوتی اسی طرح عارف فیوضات الٰہی سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ جو عارف نہیں ہے، وہ اللہ کی رحمت کے پانی سے سیر ہو جاتا ہے۔ لیکن عارف کبھی سیر نہیں ہوتا۔ اور جس کو عشق سے کوئی حصّہ نہیں ملا، اُس کی زندگی ضایع ہو گئی۔

(۲۴) در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

(۲۴) پختہ کنایہ ہے عارف کامل سے اور خام کنایہ ہے مبتدی سے، کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ اب تک بیان کیا ہے۔ اس کو صرف عارف کامل ہی سمجھ سکتا ہے یعنی مولانا نے اس تمہید میں عارف کامل کی قلبی حالت کا بیان کیا ہے کہ وہ چونکہ جانتا ہے کہ میری اصل یہ دنیا نہیں ہے

مصرعہ　مری آگ اس خاکداں سے نہیں　　　جہاں مجھ سے ہے میں جہاں سے نہیں

بلکہ میں اس کے پاس سے آیا ہوں، اس لئے اس کی روح اپنی اصل سے واصل ہونے کے لئے بیقرار رہتی ہے۔ اور یہی اس کے نالہ و فریاد کا سبب ہے۔ لیکن دُنیا پرست اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے مولنا کہتے ہیں کہ میں اس بحث کو اسی جگہ ختم کئے دیتا ہوں،

(۲۵) بادہ در جوشش گدائے جوش ماست　　　چرخ در گردش اسیر ہوش ماست

اب یہاں سے عشق کا بیان شروع ہوتا ہے۔ میں پہلے وضاحت کر چکا ہوں کہ جب انسان پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ مجھے واپس جانا ہے۔ تو وہ واپسی کی تیاری کرتا ہے اور جو شئے رجوع الی اللہ میں اس کی معاون ہو سکتی ہے وہ عشق ہے یعنی عشق وہ طاقت ہے جس کی بدولت وہ اپنی اصل کی طرف رجوع کر سکتا ہے، اس لئے اب مولنا عشق کی صفات بیان کرتے ہیں وہ۔ کہتے ہیں کہ شراب اپنی مستی کے لئے ہماری مستی کی محتاج ہے یعنی اگر ہمارے اندر مستی کا رنگ نہ ہوتا تو شراب میں بھی مستی نہ ہوتی۔ اور اگر ہم نہ ہوتے تو گردشِ آسمان بھی نہ ہوتی۔ یعنی ہمارا شعور (ہوش) حوادثِ کائنات (گردش چرخ) کو متعین اور متحقق کرتا ہے۔ اگر نفس مُدرک نہ ہوتا۔ تو کائنات کا وجود محقق نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ مولنا کا خاص فلسفہ ہے۔ مزید وضاحت کے لئے مقدمہ کی طرف رجوع کرو۔

(۲۵) بادہ از ما مست شد نے ما ازو　　　قالب از ما ہست شد نے ما ازو

اس میں بھی وہی مضمون ہے جو پہلے شعر میں بیان کیا ہے یعنی عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مستی شراب میں ہے اور ہمارا وجود کائنات کی وجہ سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مستی ہمارے اندر ہے، ہم چونکہ احساس رکھتے ہیں اس لئے ہمارے احساس کی بدولت شراب میں مستی پیدا ہو گئی، اور کائنات کا وجود ہمارے وجود پر منحصر ہے اگر ہم نہ ہوتے تو یہ بات کون کہتا کہ کائنات موجود ہے

(۲۶) بر سماع راست ہر کس چیر نیست　　　طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

جس طرح ہر شخص موسیقی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور جس طرح ہر پرندہ انجیر نہیں کھاتا۔ اسی طرح ہر شخص اس رمز کو بھی نہیں سمجھ سکتا کہ ہم کائنات کے اندر نہیں ہیں بلکہ یہ کائنات ہمارے اندر ہے یا نفسِ مدرک سے خارج کسی شی کا وجود نہیں ہے۔ مگر جو لوگ عارف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم نہ ہوتے تو یہ کائنات بھی نہ ہوتی۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com